اقبال بانو

اس نے توڑا وہ تعلق جو میری ذات سے تھا
اس کو رنج نہ جانے میری کس بات سے تھا
لاتعلق رہا لوگوں کی طرح وہ بھی
جو اچھی طرح واقف میرے حالات سے تھا

"آفاق" میں نے میز کی چکنی سطح کھرچتے ہوئے اسے پکارا۔
"ہوں!" وہ میرے چہرے پر نظریں جمائے جمائے بولا۔
"اب میں تم سے ملنے نہ آسکوں گی۔"
"کیوں؟" آفاق نے اپنی موٹی موٹی آنکھوں میں حیرت سمو کر پوچھا۔
"بس۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔
"کہیں جا رہی ہو؟"
"نہیں۔"
"پھر......!"
"آفی! ایسے راستوں پر چلنے کا کوئی فائدہ نہیں جن کی کوئی منزل نہ ہو اور میں بھی اب تھک گئی ہوں۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔
"تھوڑا سا اور طاہرہ۔"
"بس آفی! یہی بہت ہے اب میں نہیں آؤں گی۔"

اس وقت میں نہایت سفاک بن گئی تھی۔
"مجھ سے واقعی نہیں ملوگی؟" وہ بڑی آس سے پوچھ رہا تھا۔
"تو کیا میں جھوٹ کہہ رہی ہوں۔" مجھے غصہ آ گیا۔
"پلیز...... پلیز طاہرہ مجھ سے رابطہ ختم مت کرو۔" وہ لجاجت سے بولا تو میں ہنس دی اور بولی۔
"تمہاری اس بات پر مجھے ایک شعر یاد آ رہا ہے آفاق۔"

وہ جس قدر بھی منافق ہے پر یہ کہتا ہے
بچھڑنا ہم سے مگر پھر بھی سلسلے رکھنا!

"میں...... میں منافق نہیں ہوں۔" آفاق چیخ اٹھا۔
"آہستہ بولو لوگ دیکھ رہے ہیں۔" میں نے اس کو ریسٹورنٹ میں بیٹھے لوگوں کی موجودگی کا احساس دلایا۔
"تم میری مجبوری سمجھو طاہرہ۔"
"تم ہمیشہ مجبوریوں میں جکڑے رہو گے۔" میں نے ظالمانہ لہجے میں کہا۔
"میں ابھی اس پوزیشن میں نہیں ہوں کہ تمہیں اپنا سکوں، مجھے میرے معیار کی نوکری مل جائے تو......" تب میں گیلی لکڑی کی طرح چیخ کر بولی۔
"تمہیں تمہارے معیار کی نوکری کبھی نہیں مل سکتی اور بالفرض مل بھی جائے تو میں تمہارے معیار کی نہیں رہوں گی، تمہارے خیالات آسمان پر رہتے ہیں اور میں زمین پر رہنے والی لڑکی ہوں۔"
"طاہرہ......" آفاق کی آواز بھرا گئی اور چند لمحے بعد میں حیرت کے سمندر میں غوطہ زن سی رہ گئی۔
آفاق کے گالوں پر آنسو موتیوں کی طرح پھسلتے چلے آ رہے تھے۔
"آفاق۔" میری گھٹی گھٹی سی آواز نکلی۔ "تم...... تم رو رہے ہو؟"
"تو کیا تمہاری جدائی پر قہقہے لگاؤں۔" اس نے رومال سے آنکھیں صاف کیں۔
"مجھے روتے مرد کبھی اچھے نہیں لگتے۔ مرد حاکم ہے اور حاکم کی آنکھوں سے آنسو ٹپکے یہ اس کے رتبے کی توہین ہے۔"
"کیا حاکم کا دل نہیں ہوتا؟ اس کے دل میں احساسات اور محسوسات نہیں ہوتے؟"
"ہوتے ہیں مگر آفی! ضبط بھی کوئی چیز ہے۔" میں نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔
"تارہ۔" آفاق نے مجھے پکارا جب اسے مجھ پر بہت پیار آتا تھا تو وہ مجھے طاہرہ کے بجائے تارہ کہتا تھا۔
"ہوں!" میں نے ہنکارا بھرا۔
"کہہ دو تم، کہ تم نے مذاق کیا ہے۔ تم ملوگی مجھ سے۔ تم صرف میری ہو۔"
"کیسے کہہ دوں میرے والدین نے میری منزل کا پتہ بتا دیا ہے۔ پھر میں کیوں پتھروں سے ٹکرائی پھروں۔" میں نے کہا اور یہ سچ تھا کہ دو تین رشتے آئے ہوئے تھے مجھے آج شام امی کو جواب دینا تھا۔
"تارہ تم انکار کر دو۔"
"کس آس پر؟"
"میری خاطر میں جلد کوئی نوکری تلاش کرلوں گا۔ اپنے معیار سے گر جاؤں گا۔ چاہے تمہیں گزارہ کرنے میں پریشانی ہو میں تو چاہتا ہوں کہ جب ہماری شادی ہو تو کسی معاشی پرابلم کا ہمیں سامنا نہ کرنا پڑے۔" آفاق نے نہایت محبت سے کہا۔ اس کی یہی باتیں تو تھیں، جو میرے دل کو پگھلا دیتی تھیں۔ مگر میں بھی آج تہیہ کر کے آئی تھی کہ بالکل اس کی نہ مانوں گی۔ اس کی باتوں کے خوب صورت کھلونوں سے نہ بہلوں گی۔
"تو تم انکار نہیں کرو گی؟"
"بالکل نہیں۔ مجھے اپنے والدین کی پسند پر سر جھکانا ہے۔" میں نے کورا جواب دیا۔
"اور تمہاری پسند؟" وہ بڑی آس سے مجھے دیکھ رہا تھا۔
"عمر کے ساتھ ساتھ پسند بھی بدلتی رہتی ہے۔ بعض لوگوں کی پسند تو چند لمحوں میں بدل جاتی ہے۔"

"چوٹ کر رہی ہو؟" وہ تلملایا۔
"سچ کہہ رہی ہوں اب اٹھو مجھے رکشہ کروادو۔" میں کھڑی ہوگئی۔
"میں کل تمہیں فون کروں گا۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔
"کل میں گھر پر نہیں ہوں گی۔"
"کیوں...... کہاں جانا ہے؟"
"ضروری ہے تمہیں بتایا جائے۔" میں نے کہا۔
"ہاں اب میری کیا اہمیت ہوگی۔" اس کے لہجے میں دکھ ہی دکھ تھا۔ آفاق نے ٹیبل سے بائیک کی چابی اٹھائی اور ہم کیفے سے باہر آگئے۔ ہم سڑک پر نہایت خاموشی سے چل رہے تھے ورنہ کبھی بھی ایسا نہ ہوا تھا کہ ہم دونوں اکٹھے ہوں اور خاموش ہوں۔
تب ہی ایک رکشہ خالی قریب سے گزرا مگر آفاق نے اسے رکنے کا اشارہ نہ کیا تو میں چیخ پڑی۔
"آفاق رکشہ گزر گیا ہے اور خالی تھا۔"
"میں نے دیکھا تھا۔" وہ نہایت اطمینان سے بولا۔
"پھر روکا کیوں نہیں؟"
"میں چاہتا ہوں جتنا ہو سکے تمہارے ساتھ چلوں پھر پتہ نہیں یہ وقت آئے یا نہیں۔"
کیوں یہ ٹوٹا ٹوٹا سا کھویا کھویا سا آفاق احمد مجھے ذرا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ مجھے تو وہ اکھڑ سا آفاق پسند تھا جس نے مہینوں میرے پیچھے وقت خوار کیا تھا۔ میرا پیچھا کیا تھا اور آخر مجھے جھکا کر دم لیا تھا۔ آخر کار مجھے اپنے قدموں میں لے آیا تھا۔ رکشہ پھر نظر آیا تو اس نے روک لیا۔
"سنو میں کل فون کروں گا۔"
"اچھا...... اچھا۔" میں نے جلدی سے کہا اور رکشے والا مجھے عجیب نظروں سے دیکھنے لگا۔ رکشہ چل پڑا اور پھر جب میں اپنے گھر کے قریب اترنے لگی تو رکشہ ڈرائیور نہایت بے ہودگی سے بولا۔
"اتنی دور سے اسے ملنے گئی تھی۔"
"شٹ اپ!" میں نے 50 کا نوٹ اس کی طرف پھینکا بقیہ واپس بھی نہ لیے اور تنتناتی ہوئی اپنی گلی میں گھس گئی۔ آج ایک معمولی سے رکشہ ڈرائیور نے میری بے عزتی کردی تھی میرے وجود میں چنگاریاں سی سلگنے لگیں تھیں۔
مارے غصہ کے میں نے کھانا بھی نہ کھایا اور اپنے کمرے میں گھس کر کتنی ہی دیر تک خود کو کوستی رہی۔ تب ہی فون کی گھنٹی بجی...... اور مسلسل بجے جارہی تھی شاید گھر میں کوئی نہ تھا یا سب ہی سوئے ہوئے تھے۔ فون باہر گیلری میں تھا اور میرا کمرہ گیلری کے پاس ہی تھا۔ اس لیے مجھے زیادہ آواز آرہی تھی۔ میں تمتماتے چہرے سے اٹھی اور ریسیور اٹھا کر چیختے فون کو چپ کرادیا۔
"ہیلو!" میرے لہجے میں بیزاری تھی۔
"مس طاہرہ صدیقی سے بات کرنی ہے۔"
"آپ کون ہیں؟" میں نے کہا۔
"میں شاہد ہوں۔" وہ پہچان گیا تھا تبھی تو اس نے اپنا نام بتادیا تھا۔
"اوہو!" میرے لبوں سے نکلا۔ شاہد آفاق کا ایک مل اور دوست تھا اور میں کئی بار اس سے مل چکی تھی۔
"فرمایئے شاہد بھائی۔"

"بھئی! آپ نے اسے کیا کہہ دیا ہے؟" وہ نہایت بے تکلفی سے پوچھ رہا تھا۔

"کسے؟" میں سمجھ تو گئی کہ یہ آفاق کے بارے میں بات کررہا ہے مگر انجان بن گئی۔

"یہ میرے آفس میں بیٹھا ہے اور مسلسل منہ بسورے جارہا ہے' بس بلک بلک کر رونے کی کمی ہے ورنہ آنکھوں میں آنسوؤں کی تہہ باربار جم رہی ہے' جسے وہ ہتھیلیوں سے مسل ڈالتا ہے۔" شاہد نے کہا تو نجانے کیوں میرے دل کو کچھ بھی نہ ہوا۔ ذرا بھی نہ تڑپا۔

"بتائیں نا کیا کہا ہے آپ نے؟" مجھے خاموش پاکر وہ بولا۔

"میں نے کچھ نہیں کہا اور نہ میں ملی۔" میں نے غلط بیانی سے کام لیا۔

"مجھے علم ہے کہ آفاق آج آپ سے ملنے گیا تھا۔ تین روز قبل ہی مجھے اس نے بتایا تھا اور وہ جب بھی آپ سے مل کر آتا ہے بہت خوش ہوتا ہے۔ مگر آج کیا بات ہوئی ہے؟"

"جب آپ کو وہ ہر بات بتا دیتا ہے تو اسی سے پوچھیے۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا اور سلسلہ منقطع کردیا۔

"اب بھلا لڑکیوں کی طرح وہاں ٹسوے بہانے کی کیا ضرورت ہے؟" میں نے تلملا کر سوچا۔

مگر آفاق احمد اب تم کچھ بھی کرو مجھے تم سے شادی نہیں کرنی۔ بہت دلیلوں سے خود کو سمجھایا ہے۔ مجھے تم سے نہ محبت رہی ہے اور نہ ہی...... میں تم سے نفرت کرسکتی ہوں بس محبت اور نفرت کے درمیان کا جو جذبہ ہے وہ میرے دل میں موجزن ہے۔ شاید اسے ترحم کہتے ہیں اور یہ ترحم میرے دل میں تم نے خود ہی تو پیدا کیا ہے۔ اور تمہیں تو شاید علم بھی نہ ہو آفاق بلکہ میں نے سال بھر پہلے ہی طے کرلیا تھا کہ تم سے شادی نہیں کروں گی' تم کو اتنا نزدیک لاکر چھوڑوں گی کہ جیسے مچھلی لب ساحل پڑی ہو مگر پانی میں نہ جاسکتی ہو۔

تڑپ تڑپ کر ختم ہوجائے وہی حال کروں گی میں تمہارا۔ یہ میں نے سوچا تھا اور خدا کا شکر ہے کہ میں نے اپنی سوچ کو عملی جامہ پہنادیا ہے' مجھے علم ہے کہ تم ضرور تڑپو گے اور تڑپ تڑپ کر ظاہری طور پر ختم ہوجاؤ گے اور پھر جو اس دنیا کا ان حالات کا سامنا جو آفاق احمد کرے گا وہ کوئی اور ہی ہوگا۔ تمہیں شاید علم نہ تھا کہ عورت محبت میں ناگن بھی بن جاتی ہے' تم نے مجھے کئی بار آزمائش کی کسوٹی پر پرکھا اور میں پوری اتری مگر تم میری آزمائش پر پورے نہ اترے فیل ہوگئے اور ہر امتحان میں ہر کوئی پاس تو نہیں ہوتا نا؟ تم عورت تو نہ تھے...... جو آزمائش میں پورے اترتے' تم تو مرد تھے' جو بھنورا صفت ہوتا ہے۔

......☆☆☆......

آفاق احمد سے میری ملاقات میری کلاس فیلو اور دوست ثمینہ کے توسط سے ہوئی۔ آفاق اس کے منگیتر صابر علی کا دوست تھا' دونوں بی ایس سی پارٹ ون کے طالب علم تھے۔ صابر' ثمینہ کا منگیتر ہونے کے ساتھ ساتھ فرسٹ کزن بھی تھا اور بڑے دھڑلے سے ہونے والی اہلیہ کا دیدار کرنے کا جب بھی موڈ ہوتا آجاتا' کوئی روک ٹوک نہ تھی' ثمینہ کا اور میرا گھر نزدیک ہی تھا۔ میں اکثر شام کو اس کے ہاں چلی جاتی یا وہ آجاتی' اور وہیں میری آفاق سے ملاقات ہوئی' میں نے صابر بھائی کے دوست ہونے کی وجہ سے آفاق کو بھی کمپنی دی' صابر بھائی سے میں خاصی بے تکلف تھی' مگر آفاق سے ایک عجیب جھجک سی تھی جو کہ کئی بار ملنے پر بھی ختم نہ ہوئی۔ ثمینہ آفاق کا بہت ذکر کرتی مگر میں توجہ نہ دیتی نہ مجھے پتہ تھا کہ ثمینہ کا موضوع سخن آفاق احمد ہی کیوں ہے صابر کی بجائے۔

پھر کئی بار کالج سے نکلتے ہوئے آفاق کو کالج کے گیٹ کے باہر دیکھا مگر پھر بھی کوئی اہمیت نہ دی' ہمارے انٹر کے ایگزام ہورہے تھے اور اس روز آخری پرچہ تھا جب میں اور ثمینہ سینٹر سے نکلے تو پتہ چلا کہ اچانک بسوں اور ویگنوں والوں نے ہڑتال کردی ہے۔ رکشہ ٹیکسی والے منہ مانگے دام مانگ رہے تھے اور سچی بات ہے کہ ان دنوں مجھے رکشہ میں بیٹھتے ہوئے خوف آتا تھا۔ میں اور

ثمینہ سخت پریشان تھے۔ اتنا اچھا پرچہ ہوا تھا مگر ساری خوشی کرکری ہوگئی تھی۔ جب کہ میں صبح ثمینہ سے کہہ رہی تھی آج آخری پرچہ ہے پورا ایک ہفتہ سوؤں گی اور اس وقت سخت بیزار ہو رہی تھی۔ تب ہی صابر بھائی آگئے ان کے ساتھ آفاق بھی تھا دونوں اپنی اپنی بائیک پر تھے۔ ثمینہ تو کھل اٹھی۔

''مجھے پتہ چلا کہ ہڑتال ہوگئی ہے تو فوراً کلاس چھوڑ کر آگیا۔'' صابر بھائی نے ہیلمٹ اتارتے ہوئے کہا۔

''جیسے مجھے تمہارا خیال تھا اسے بھی تمہاری سہیلی کا خیال تھا۔'' صابر بھائی نے ثمینہ سے سرگوشی کی مگر میں نے صاف سن لی ان کی سرگوشی بھی بس نام کی سرگوشی تھی۔

آخر مجبوری تھی اور مجبوری میں تو انسان کیا کچھ کرگزرتا ہے۔ سو میں بھی اسی مجبوری کی وجہ سے آفاق کے پیچھے بیٹھ گئی مگر صابر بھائی کے بہت مجبور کرنے پر۔ آفاق تو ہواؤں میں اڑ رہا تھا کہنے لگا۔

''جی چاہتا ہے اسٹرائیک کرنے والوں کا منہ چوم لوں۔'' اس نے کہا تو میری ہنسی چھوٹ گئی اور وقت گزرنے کا پتہ بھی نہ چلا۔ گھر سے خاصی دور میں اتر گئی۔

''بہت شکریہ۔'' میں نے ہولے سے کہا۔

''اپنوں سے تکلف نہیں نبھائے جاتے۔'' آفاق نے جذبے لٹاتی نظروں سے مجھے دیکھا تو میں چونک گئی۔

''تم...... تم کب سے میرے اپنے بن گئے ہو؟'' اور پتہ نہیں کیسے اس نے میرے دل میں ابھرتے سوال کو سن لیا تھا۔ تبھی تو مسکراتے ہوئے بولا۔

''اپنے دل سے پوچھ لو کب سے بنا ہوں تمہارا۔'' وہ ایک دم ہی تکلف کی ہر دیوار گرا گیا اور پھر بائیک آگے بڑھا لے گیا۔

میں نے اپنے اندر جھانکا تو وہ مسکرا رہا تھا۔ میں نے ایک طویل سانس لی۔ میں جو ایگزام کے بعد لمبی نیند کا پروگرام بنا رہی تھی' وہ تو اپنی موت آپ مرگیا۔ میں نے ایک ایسی وادی میں قدم رکھ دیا تھا جہاں پھول تو بے تحاشا تھے مگر کانٹے بھی ساتھ تھے۔

اب ہماری دوسرے تیسرے دن ثمینہ کے ہاں ملاقات ہونے لگی اور چوتھی ملاقات ہی میں آفاق نے کہہ دیا۔

''میں اپنی امی کو تمہارے ہاں بھیجنا چاہتا ہوں۔''

''ابھی نہیں۔'' میں نے جلدی سے کہا۔

''کیوں؟'' اس نے مجھے حیرت سے دیکھا۔

''ابھی تو مجھے بی اے کرنا ہے اور پھر میری بڑی بہن کی پہلے شادی ہوگی۔'' میں نے لجاتے ہوئے کہا۔

''بھئی منگنی ہوجائے شادی ابھی کون سی کرنی ہے۔'' اس نے کہا۔

''نہیں' منگنی بھی نہیں۔''

''یعنی تم ڈائریکٹ شادی کی قائل ہو۔'' وہ ہنسا۔

''بالکل۔'' میں بھی ہنس دی۔

''یا یہ خطرہ ہے کہ مجھے تمہاری بڑی بہن کے لیے نہ پسند کرلیا جائے۔'' آفاق کے لہجے میں شرارت ہی شرارت تھی۔

''بس...... بس منہ دھو رکھو۔'' میں نے چڑایا۔

یونہی وقت گزرتا رہا' ہماری محبت بڑھتی رہی' اب ہمیں ثمینہ کے ہاں ملاقات کی ضرورت نہ تھی' کیونکہ ثمینہ کی امی کو کچھ شک ہوگیا تھا اور میں نہیں چاہتی تھی کہ وہ میری امی کو بتادیں۔ اس لیے ہم نے یونیورسٹی روڈ پر ایک کیفے کو چن لیا۔ ہفتے میں ایک بار میں ضرور آفاق سے ملتی جب بھی کالج سے کوئی پریڈ گول کرتی تو ثمینہ ساتھ ہوتی یا کبھی اکیلی بھی چلی جاتی۔ اس کے ساتھ ہوتی تو مجھے کوئی ڈر نہ ہوتا یہ خوف بھی نہ ہوتا کہ کوئی دیکھ لے گا۔

مجھے لگتا اگر آفاق نہ ملا تو میں مرجاؤں گی' آفاق نے اپنے کئی دوستوں سے بھی مجھے ملایا' وہ ہر بار ایک نئے دوست کے ساتھ آتا تھا۔ اگر ثمینہ میرے ساتھ ہوتی تو وہ آفاق کے دوست سے گپیں لڑاتی اور میں اور آفاق دنیا ومافیہا سے بیگانہ ہوجاتے۔ کبھی آفاق اپنے کسی بھی دوست کو میرے پاس بٹھا کر کسی کام کے لیے چلا جاتا۔

دس پندرہ منٹ بعد آتا اور سوری کہہ کر بیٹھ جاتا۔اس کے جانے کے بعد اس کا دوست نظروں سے کتنے ہی پیغام دیتا اور میں نظریں چرا لیتی۔ بعض مرتبہ مجھے غصہ بھی آتا' مگر میں نے کبھی آفاق سے شکایت نہ کی۔

عفت کاظمی سے ہماری دوستی تھرڈ ایئر میں ہوئی یہ لڑکی لاہور سے مائیگریشن کروا کر آئی تھی ماڈسوسائٹی سے تعلق رکھتی تھی۔سنہری شانوں تک کٹے ہوئے بال تھے۔خوب صورت خدوخال والی عفت بہت اونچے اونچے قہقہے لگاتی تھی' ہم بھی ہنسوڑ تھے' اس لیے عفت سے میری اور ثمینہ کی دوستی ہوگئی' یوں بھی ہماری کلاس کی لڑکیوں نے دو دو چار چار لڑکیوں کے گروپ فرسٹ ایئر ہی سے بنائے ہوئے تھے اور سب اپنے آپ میں مست تھیں۔عفت کی گنجائش ہماری طرف ہی نکلی۔

پھر آہستہ آہستہ عفت کی گنجائش کے جوہر کھلتے گئے۔ ایک وقت میں اس نے کئی لڑکوں سے دوستی کی ہوئی تھی کوئی اس کا چیٹ فرینڈ تھا کوئی فون فرینڈ اور کئی سے ڈیٹس مارتی تھی۔اس کا گھرانہ ایسا تھا کہ کوئی روک ٹوک نہ تھی کہ اس کی شامیں کہاں گزرتی ہیں۔ جب وہ مختلف لڑکوں سے ملنے کے قصے سناتی تو میں حیرت سے اسے دیکھتی' فربہ جسامت کی عفت جو کہ بس خود کو بنا سنوار کر رکھتی تھی پھر بھی اتنی دوستیاں نبھاتی تھی' اور میں نے دیکھا تھا کہ جب وہ کالج کے گیٹ سے نکلتی تو باہر کھڑے کتنے ہی لڑکوں پر بیک وقت مسکراہٹ کی بجلیاں گراتی اور جب وہ اپنی لمبی سی موٹر میں بیٹھ کر چلی جاتی تو کتنی ہی آنکھیں حسرت سے اس کی موٹر کو تکتی رہ جاتیں۔ میں نے بھی اسے اپنے راز میں شریک کرلیا تھا۔

''خدا کرے تم آفاق احمد کو پالو۔'' اس نے نہایت صدق دل سے دعا دی۔

......☆☆☆......

تھرڈ ایئر کے ایگزام سے ہم فارغ ہوئے اب سارا دن گھر پر ہوتی تھی' میں رسالے پڑھتی یا پھر آفاق کے خیالوں میں کھو جاتی۔اس روز بھی میں آفاق سے ملنے گئی تو وہ بجائے کیفے لے جانے کے مجھے اپنے ایک دوست زاہد کے ہاں لے آیا۔اس روز زاہد کے گھر والے کہیں شادی میں گئے ہوئے تھے۔زاہد ہی گھر میں تھا۔ مگر مجھے آفاق پر اتنا اعتماد تھا کہ مجھے زاہد سے بھی ڈر نہ لگا کہ اتنا بڑا گھر ہے اور ہم تنہا' یہ زاہد کا بیڈروم تھا۔

زاہد بھی کسی کام سے چلا گیا اور آفاق اور میں تنہا رہ گئے۔آفاق دروازہ بند کرکے جب پلٹا تو میں نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں محبت کے بجائے ہوس تھی۔اس کا یہ روپ اس قدر عجیب سا تھا کہ وہ محبتوں کی جوت جگانے والا آفاق احمد نجانے کہاں چھپ گیا تھا' میرے جسم میں لرزہ طاری ہوگیا۔میں گنگ رہ گئی۔مجھ میں سکت ہی نہ تھی کہ وہاں سے بھاگتی۔آفاق میرے قریب آیا۔

''تارہ۔'' اس کا لہجہ جذبات کی شدت سے چور چور تھا۔

''آفاق...... میں...... میں جان سے گزر جاؤں گی مگر جو تم چاہتے ہو وہ نہیں ہونے دوں گی۔''

میں نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا اور بلک پڑی' پتہ نہیں کتنا وقت گزر گیا تب ہی میرے کندھے پر میرے قریب بیٹھے آفاق نے ہاتھ رکھ دیا' میں نے اس کا ہاتھ زور سے جھٹک دیا۔

''سوری تارہ۔''

''تم نے میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے آفاق۔''

''مگر میرا اعتبار بڑھ گیا ہے۔ یہ تمہاری آخری آزمائش تھی۔'' آفاق نے کہا۔

''کیا؟'' میں حیران تھی۔

''میں سمجھی نہیں۔'' میں اسے ٹکر ٹکر دیکھ رہی تھی۔

''گزشتہ ڈیڑھ سال سے میں تمہیں آزما رہا ہوں' ہر بار تم جیت جاتی ہو اور آج آخری آزمائش تھی' میں نے تم سے اپنے جس بھی دوست کا تعارف کروایا' اس کے بارے میں بتایا بھی کہ یہ فلاں مل اونر کا بیٹا ہے' فلاں کے باپ کا اتنا بڑا کاروبار ہے' کوئی افسر ہے مگر تم نے کسی کی طرف بھی رخ نہ کیا۔حالانکہ صرف شاہد ہی مل اونر کا بیٹا

ہے۔ باقی سب ابھی پڑھ رہے ہیں اور مناسب جاب کرتے ہیں' میں نے سنا تھا تارہ کہ عورت دولت کی طرف کھنچتی ہے' مگر میں سمجھ گیا کہ عورت صرف محبت کرتی ہے۔ دولت صرف ثانوی حیثیت رکھتی ہے' بس آپا کی شادی ہوجائے تو میں تمہیں اپنالوں گا اب دوری نہیں برداشت ہوسکتی۔ پلیز تارہ ہوسکے تو معاف کردینا' لیکن قسم لے لو اگر تم اپنا آپ میرے حوالے کر بھی دیتیں تو میں تمہیں دھتکار کر چلا جاتا' تمہیں کبھی بے آبرو نہ کرتا' بس میری طرف سے دل میں میل مت لانا۔" آفاق نے میرے آگے ہاتھ جوڑ دیئے' تب میں نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر چند لمحے پہلے کی خباثت نہ جانے کہاں جاچھپی تھی' اب تو یہ معصوم چہرے اور نظروں سے محبتوں کی آبشار گراتا آفاق تھا' میں نے اس کے دونوں جڑے ہوئے ہاتھوں کو تھاما اور آنکھوں سے لگا کر رودی۔

"تم میرے لیے چیلنج تھیں تارہ...... تمہیں بڑی مشکل سے پایا تھا' مگر سچ بتاؤں اس وقت صرف میں نے دل لگی کے لیے تم سے دوستی کی تھی' مگر آج میں خدا کو حاضر جان کر اعتراف کرتا ہوں کہ اس دل میں سوائے تمہارے اور کوئی نہیں' اور نہ ہی کبھی ہوسکتی ہے۔" آفاق نے ہولے سے میرے بالوں کو لبوں سے چھوا اور میں مسکرادی' اس کی اتنی سی محبت پر۔ پھر کالج کھل گئے اور ایک روز باتوں باتوں میں' میں نے ثمینہ اور عفت کو آفاق کی خباثت کا بتایا تو عفت نے اپنی بھنورا جیسی آنکھیں جھپکا کر کہا۔

"اس نے تم کو آزمایا؟"

"ہاں۔" میں نے بتایا۔

"اور شکر ہے کہ میں اس کی کسوٹی پر پوری اتری۔" میں نے فخر سے بتایا۔

"ازلی عورت والی بات کی جو مرد سے محبت کرے تو اپنا پور پور مٹا دیتی ہے۔" عفت بولی۔

"وہ بھی مٹ گیا ہے میرے آگے۔" میرے لہجے میں تسخیر کرنے کا مان تھا۔

"مجھ سے ملواؤ۔" عفت ایک دم بولی۔

"کیا کروگی مل کر؟" ثمینہ ہنسی۔

"یہ کہہ رہی ہے کہ وہ اس کے آگے مٹ گیا ہے' اگر اسے اپنی طرف ملتفت کرلوں پھر؟"

"ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔" میں نے نہایت اعتماد سے کہا۔

"اور ہوجائے تو پھر؟" عفت نے چیلنج کیا۔

"پھر......" میں نے سوچنا چاہا۔

"دیکھو جان! مرد کو کبھی آزمائش میں مت ڈالو' کیونکہ یہ کبھی بھی کسوٹی پر پورا نہیں اترتا۔" ثمینہ نے مجھے سمجھایا مگر میں نے اس کی بات کو سنی ان سنی کر کے عفت سے کہا۔

"چلو' تم مل لو۔"

"پہلے تم میرا اس سے مکمل تعارف کروا دو' میری دوستیوں کے بارے میں بھی بتادو پھر ملوں گی۔" عفت نے نہایت بے پروائی سے کہا اور میں نے بھی طے کرلیا کہ عفت کو آفاق سے ضرور ملواؤں گی۔

میں نے آفاق کو عفت کے بارے میں بتایا کہ خاصی ماڈ لڑکی ہے خوب دوستیاں کررکھی ہیں ملوگے اس سے؟

"نہیں بھئی' مجھے ایسی لڑکیاں پسند نہیں۔" آفاق منہ بنا کر بولا۔ اور میرے دل میں روشنی ہی روشنی ہوگئی' مگر میں نے آفاق کو نہیں بتایا کہ اس نے مجھے چیلنج کیا ہے۔

آخر ایک روز میں ثمینہ اور عفت کے ساتھ آفاق سے ملنے گئی' ریستوران میں آفاق اور شاہد ہم سے پہلے ہی موجود تھے۔ ثمینہ نے عفت کا آفاق سے تعارف کروایا۔

میں اور ثمینہ باتیں کررہے تھے کہ آفاق نے عفت سے کہا' کہ میری بات سنیں اور میرے دل پر گھونسہ سا پڑا' میری موجودگی میں اسے یہ بات نہیں کرنی چاہیے تھی' عفت اور آفاق دوسرے کیبن میں چلے گئے' چند لمحے بعد جب دونوں آئے تو عفت کے لبوں پر فتح مندی کی مسکراہٹ تھی۔

"ہماری دوستی ہوگئی ہے۔" ثمینہ کو عفت نے بتایا۔

''اچھا!'' میں نے حیرت سے آفاق کو غصے سے دیکھا۔

پھر ایک دم ہی ان کا نجانے کیسے کلفٹن جانے کا پروگرام بن گیا۔ ساحل سمندر کے قریب ہی موٹر جا کر رکی تو شاہد اور آفاق اتر گئے۔ عفت بھی ایک ادائے دلبری سے اتری۔

''اترو۔'' ثمینہ نے مجھ سے کہا جبکہ وہ خود بھی بجھی بجھی سی تھی اور میرا دل تھا کہ درد کا پھوڑا بنا ہوا تھا۔

''نہیں' تم جاؤ مجھے تنہا چھوڑ دو۔'' میری آواز رندھ گئی۔ ثمینہ کو علم تھا کہ مجھ پر اس وقت کتنا بڑا پہاڑ آ گرا ہے' اور وہ اعتماد کا ٹوٹا ہوا پہاڑ تھا جس کے ملبے تلے میری روح سسک رہی تھی۔

دل چکنا چور ہو گیا تھا میں اکیلی ہی گاڑی میں بیٹھی تھی میرا جی چاہ رہا تھا کہ چیخ چیخ کر روؤں تب ہی آفاق آ گیا۔

''تم اکیلی بیٹھی ہو آؤ نا؟''

''تمہیں کمپنی مل گئی ہے' میرے اکیلے بیٹھنے سے کیا فرق پڑے گا۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی میرے لہجے میں تلخی آ گئی۔

''ناراض ہو۔'' وہ میرے قریب ہی بیٹھ گیا۔ میں کھسک کر دور ہو گئی' تو وہ ہنس دیا اور میرا ہاتھ تھام لیا جسے میں نے ایک جھٹکے سے چھڑا لیا۔

''اچھا' میں عفت سے بات نہیں کروں گا۔'' وہ بولا۔

''میں نے تمہیں منع تو نہیں کیا۔''

''پھر یہ ناراضگی۔''

''بس۔''

''مجھے عفت سے فرینڈ شپ کی اجازت دے دو۔'' آفاق میری طرف جھک کر بولا' مجھے لگا جیسے کہ میرے آگے وہ منمنا رہا ہو۔

''میں نے تو منع نہیں کیا۔'' میرے لہجے میں اب بھی تلخی تھی۔

''تم ناراض تو نہیں ہو گی۔''

''مجھے کیا ضرورت ہے۔''

''تمہیں ضرورت ہے ناراض ہونے کی' اس لیے کہ تمہارا اور میرا گہرا تعلق ہے۔'' آفاق مضبوط لہجے میں بولا۔ ''ویسے وہ یہ سمجھ رہی ہے کہ تمہارا شاہد سے چکر ہے۔'' میں دل ہی دل میں ہنسی۔

''ہونہہ تمہیں کیا پتہ کہ یہ ہماری چال ہے۔''

''ویسے تم نے عفت کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا وہ اس سے بھی دو ہاتھ اوپر ہے۔'' آفاق بولا۔

پھر پتہ نہیں وہ کیا کہتا رہا میں بس سن سے ذہن کے ساتھ بیٹھی رہی۔ حلق میں چیخوں کو دباتی رہی۔ پھر ہم لوٹ آئے۔

اس روز مجھے اتنا دکھ تھا میں بیان نہیں کر سکتی۔ یوں لگتا روح بار بار سولی پر چڑھ رہی ہو دل کو کوئی آرے سے چیر رہا ہو' میں اپنے کمرے میں تکیوں میں منہ چھپا کر روتی رہی۔

شام کو ثمینہ آ گئی اور پھر میں اس کے کندھے سے لگ کر رو دی۔ تب ثمینہ نے مجھے رونے دیا شکر ہے مجھے ثمینہ کا کندھا تو میسر تھا جس پر سر رکھ کر میں نے اپنے انمول آنسو بہا دیے تھے۔

''میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ تم مت آزماؤ' مرد کا کوئی بھروسہ نہیں۔'' ثمینہ نے کہا۔ ''تمہیں شاید علم نہیں کہ صابر اور میں کہیں بھی جائیں تو کوئی بھی خوب صورت لڑکی دیکھ کر وہ بڑی حیرت سے کہتا ہے۔ ''ثمینہ! یار لڑکی تو بہت پیاری ہے۔'' بظاہر وہ ہنس کر کہتا ہے مگر مجھ سے پوچھو کہ میرے دل کی کیا حالت ہوتی ہے۔ مجھے پتہ ہے کہ لڑکی پیاری کب لگتی ہے' جب وہ پہنچ سے دور ہو' مرد تسخیر کرنا چاہتا ہے' چاہے وہ صابر ہو یا آفاق' مرد کا خمیر ایک ہی مٹی سے بنا ہے۔'' ثمینہ نہایت دھیمے لہجے میں مجھے سمجھاتی رہی۔

''تم اگر اسے چاہتی ہو تو اس کی اس فطرت کو نظر انداز کر دو۔''

''یہ بات نظر انداز کر دوں؟'' میں نے حیرت سے

ثمینہ کو دیکھا۔

"ہاں۔"

"نہیں..... نہیں ثمینہ۔" میں نے آہ بھر کر کہا۔

"پھر کیا کرو گی؟"

"سوچوں گی کیا کرنا ہے؟" میں نے کہا اور پھر بات ختم ہوگئی۔ پھر پوری رات میں نے سوچتے ہوئے گزار دی' اور جب میری الجھی ہوئی سوچوں کو سرا ملا تو میں نہایت مطمئن سی ہوگئی۔ دل کی بے قراریاں تھم گئیں جب میں صبح سو کر اٹھی تو نہایت فریش تھی۔

میں نے کل تک والی طاہرہ صدیقی کو جو آفاق احمد کی محبوبہ تھی' ختم کردیا تھا' اب ایک نئی طاہرہ تھی جس نے اپنے سچے اور انمول جذبوں کا آفاق احمد سے انتقام لینا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ جب عورت محبت کرتی ہے تو خود کو بھلا دیتی ہے اور جب نفرت کرتی ہے تو دنیا کو بھلا دیتی ہے۔ اور مجھے بھی آفاق احمد سے چڑ ہوگئی تھی۔ وہ کتنا جھوٹا شخص تھا' وہ میری محبتوں کا حق دار بھی نہ تھا' میں فضول میں دو سال تک اس پر اپنی پور پور محبتیں لٹاتی رہی تھی۔

میں کالج پہنچی تو عفت سخت شرمندہ سی تھی۔ مجھے دیکھ کر ہمیشہ کی طرح وہ مسکرا کر میرے گلے نہ لگی بلکہ نظریں جھکا کر بولی۔

"طاہرہ سوری۔"

"ارے تم کیوں شرمندہ ہو۔" میں نے اسے لپٹا لیا۔

"کاش ایسا نہ ہوتا۔"

"اچھا ہے مجھے اس کا باطن نظر آگیا' اور شکر ہے کہ ابھی نظر آگیا اگر شادی کے بعد وہ ایسا کرتا تو میں ایک منٹ بھی اس کے ساتھ نہ رہتی' اور اب بھی میں نے یہی فیصلہ کیا ہے۔ میں محبت میں شراکت کی قائل نہیں ہوں۔ چاہے وہ شوہر کی محبت ہو یا محبوب کی۔ میں مکمل اپنا مرد چاہتی ہوں' اور مجھے یقین ہے کہ ایسا مرد میرے والدین ہی تلاش کریں گے۔" میں نے اسے گلے لگالیا۔

"تو شامت تارہ! ورنہ..... ورنہ عفت بن جاؤ گی۔"

[illegible] ٹوٹا ہوا تھا۔

"کیا..... کیا؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"کچھ نہیں۔" وہ زور سے ہنس دی۔ ہمیشہ کی طرح اس نے زور سے قہقہہ لگایا اور پھر جھک کر چپل کا بکل ٹھیک کرنے کے بہانے آنکھیں مسل ڈالیں۔

میں بس اسے دیکھ کر رہ گئی کچھ پوچھ نہ سکی کیونکہ بیل ہوگئی تھی۔ دوسرا پریڈ ہمارا فری تھا' تب ہم لان میں آگئیں' تو ثمینہ نے کہا۔

"کل آفاق نے تم سے کیا کہا تھا عفی؟"

"الگ لے جا کر بولا آپ ہم سے دوستی کریں گی' میں نے کہا ضرور' اور پھر ہم نے ہاتھ ملایا مگر بخدا میرے دل میں اس کے لیے ایک ہی جذبہ تھا۔"

"اب اس جذبے کی وضاحت نہ کرو پھر وہ کیا بولا۔" ثمینہ نے پوچھا۔

"پھر آج فون کرنے کا کہا ہے' اس نے میرا نمبر لیا تھا۔ میں نے اسے لینڈ نمبر دیا ہے سیل فون کا کہا کہ میرے پاس ہے ہی نہیں۔" عفت ہنسی تھی۔

"کب کرے گا؟" میں نے پوچھا۔

"ایک بجے۔" عفت نے بتایا۔

"مگر ہماری کلاسز تو ڈھائی بجے آف ہوں گی۔" ثمینہ بولی۔

"میں نے ڈرائیور کو ساڑھے بارہ بجے بلایا ہے' اور تم دونوں بھی ساتھ چلو گی۔"

"کیوں؟"

"وہ مجھ سے فرینڈ شپ کرنا چاہتا ہے' میں نے کہا کہ طاہرہ سے اجازت تو لے لو۔" عفت ہنسی۔

"مگر وہ تو کہہ رہا تھا کہ تم شاہد اور میرا چکر سمجھ رہی ہو۔"

"بکواس کرتا ہے' میں نے کہہ دیا تھا کہ مجھے پتہ ہے تم اور طاہرہ..... تو کہنے لگا اس سے فرینڈ شپ نہیں ہے تو کیا ہے یہ؟ میں پوچھ نہ سکی کہ شاہد آ گیا تھا۔" عفت نے بالوں کو جھٹکتے ہوئے کہا۔ پھر ہم لوگ دو پریڈ گول کرکے عفت کے ساتھ اس کے گھر آگئیں۔ عفت کے گھر میں

پہلی بار آئی تھی' واقعی وہ بہت رئیس لوگ تھے' گھر کے چپے چپے سے امارت جھلکتی تھی' عفت فون اپنے کمرے میں اٹھا لائی اور پھر ادھر وال کلاک نے ایک بجایا اور ادھر فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ جیسے بندہ بہت بے قرار ہو۔ صبر نہ آ رہا ہو۔

''دیکھا...... میرا ڈسا قرار نہیں پاتا مگر......'' اس نے جملہ پورا کیے بغیر ریسیور اٹھالیا' دوسری جانب واقعی آفاق تھا' میں ایکسٹینشن پر سن رہی تھی ریسیور میرے ہاتھ میں کانپ رہا تھا۔

''تم نے طاہرہ سے اجازت لے لی۔'' عفت نے سلام دعا کے بعد کہا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' آفاق بولا۔

''پھر میری ایک بات مانو آفاق! اسے بھی کسی سے فرینڈ شپ کی اجازت دے دو۔'' عفت نے نہایت رسان سے کہا۔

''نہیں' نہیں یہ نہیں ہوسکتا۔'' آفاق تیزی سے بولا۔

''کیوں؟ میری صرف یہی شرط ہے' میں تم سے جب دوستی کروں گی جب طاہرہ بھی کسی اور سے دوستی کرے گی۔''

''میں اسے اجازت نہیں دے سکتا۔''

''کیوں جب تم مجھے دوست بنا سکتے ہو تو وہ نہیں بنا سکتی۔''

''وہ تم جیسی نہیں ہے۔'' آفاق کا کہنا تھا کہ عفت کو تو پتنگے لگ گئے۔

''کیا تم نے مجھے کال گرل سمجھ رکھا ہے' یو فول اسٹوپڈ' تم نے سمجھ کیا رکھا ہے' مجھے میں تمہیں ایسی جگہ پھنکواؤں گی کہ تمہارے باپ کو ہڈیاں بھی نہ ملیں' ایسے تم راجہ ایندر ہو کہ میں تم پر مرمٹوں گی' تم جیسے تو چھتیس میرے پرس میں پڑے رہتے ہیں۔'' عفت بولتی رہی اور وہ خاموش رہا۔ اور عفت نے دل کی بھڑاس نکال کر کریڈل پر پٹخ دیا۔

''بڑی کمینی قوم ہے مردوں کی خود کہیں گند کھائیں مگر......'' وہ دھم سے کرسی پر بیٹھ گئی اور آنکھیں موند لیں۔

''سوری عفت؟'' پتہ نہیں کیوں میرا دل بجھ سا گیا تھا' ایک قسم کی آفاق نے گالی ہی اسے دی تھی کہ وہ تم جیسی نہیں۔ حالانکہ مجھے پتہ تھا کہ وہ بہت اچھی ہے' اس کا دل بہت اجلا ہے۔ شیشے کی مانند۔

''عفت!'' ثمینہ نے اس کا کندھا ہلایا تب اس نے آنکھیں پٹ سے کھول دیں' اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''آج...... آج دوسری بار میں نے یہ جملہ سنا ہے ثمینہ۔'' اس نے ثمینہ کا ہاتھ تھام لیا۔ ''میں دوسری بار دھتکاری گئی ہوں۔''

''ایک...... ایک وہ تھا جو پورے آٹھ سال بعد مغرب کی رنگینیاں سمیٹ کر آیا تو اسے لانبی چوٹی' سر پر دوپٹہ اور جھکے سر والی عفت کاظمی پسند نہ آئی۔ کیونکہ عفت کو اس کی دادی نے پالا پوسا تھا اس پر اپنا اثر ڈال دیا تھا اور اس نے راحت کو اپنا لیا اور تب عفت جو کہ اس کے خوابوں سے اپنی دنیا کو آباد کیے ہوئے تھی اس نے اس لندن پلٹ ڈاکٹر انیس سے پوچھا تھا۔

''راحت میں آپ کو کیا نظر آیا؟ کیونکہ راحت بہت ماڈ تھی' اس کے یونیورسٹی میں کئی دوست تھے' نت نئے لباس پہنتی تھی' ہر فیشن کرتی تھی' اس کے بڑھے ہوئے ناخن دیکھ کر عفت کو کراہیت آتی تھی مگر ڈاکٹر انیس نے پتہ ہے کیا کہا تھا۔'' عفت ہنسی تو میں نے اور ثمینہ نے اس ٹوٹی ہوئی عفت کو دیکھا۔

تمسخر سے بولا تھا۔ ''وہ تم جیسی نہیں ہے...... یعنی میں بری تھی اور...... اور پھر وہ سادہ سی عفت کاظمی ختم ہوگئی۔ اس کے وجود میں ایسا زلزلہ آیا کہ سب ختم ہوگیا اور اگلے ہفتے جب ڈاکٹر انیس' راحت کاظمی کو منگنی کی انگوٹھی پہنا رہا تھا تو مجھے پتہ ہے کہ وہ اس عفت کو دیکھ کر حیران رہ گیا جس کی لانبی چوٹی شانوں تک کٹے بالوں میں بدل گئی تھی۔ دوپٹے سے بے نیاز ٹاپ پہ سرخ شرٹ پہنے چہرے کی زردی کو امپورٹڈ میک اپ کی تہوں میں

چھپائے' اونچے اونچے قہقہے لگاتی ہوئی عفت ڈاکٹر انیس کو کسی اور ہی دنیا کی مخلوق لگی تب اس کے دل کو پچھتاوؤں نے گھیر لیا' مگر اب کیا ہوسکتا تھا' ایک ماہ بعد اس کی شادی ہوگئی اور دونوں چلے گئے' اور پتہ ہے ثمینہ چند روز قبل اس کا خط آیا تھا پپا کے نام جو میں نے پڑھ لیا۔ وہ بہت پریشان ہے زاحت کی حرکتوں سے' لندن میں راحت کو نئی دنیا ملی تو وہ سب بھول گئی' اور اب اس نے پھر پپا سے مجھ کو مانگا ہے' حیرت ہے کہ......"

"پھر تم نے کیا کہا؟" ثمینہ نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"میں نے انکار کردیا' میں ٹھکرائی ہوئی لڑکی ہوں اور میں جو کچھ بنی ہوں' یہ اسی مرد نے مجھے بنایا ہے' وہ لندن میں آٹھ برس رہا تھا۔ مجھے کیا خبر تھی کہ وہ ایسا ہوکر آئے گا' ورنہ میں خود کو بدل لیتی' دیکھو تو یہ دل آج بھی اس کے ساتھ چاہتا ہے' مگر میں...... میری انا جو ہے وہ نہیں چاہتی' اور ثمینہ میں جس مرد سے بھی شادی کروں گی' ویسی ہی بن جاؤں گی جیسی دادی اماں نے مجھے بنایا تھا مگر وہ ڈاکٹر انیس نہیں ہوگا۔" عفت کے ہونٹ بھینچے ہوئے اور آنکھیں نم تھیں۔ آج مجھے اس ٹوٹی ہوئی اور اونچے قہقہے لگانے والی عفت کے دل کے زخم نظر آئے تو جی چاہا کہ میں بھی اس کی طرح رو دوں۔

"عفت' میں نے سوچا ہے کہ آفاق کو چھوڑ دوں گی۔ میں اس سے کوئی واسطہ' تعلق نہیں رکھوں گی' اسے دھتکار دوں گی اسے بتاؤں گی کہ عورت کے دل سے کھیلنے کا انجام کیا ہوتا ہے؟"

"گڈ گرل۔" وہ ہنسی' اپنے مخصوص انداز میں اور بولی۔ "مگر یہ دیکھ لینا کہ دل نہ روئے۔"

"ایسا نہیں ہوگا۔" میں نے نہایت اعتماد سے کہا۔ تو عفت نے مجھے لپٹا لیا۔

اور پھر واقعی میں نے خود کو مضبوط بنالیا۔ آفاق نے بی ایس سی کرلیا تھا' اور آج کل جاب کی تلاش میں تھا اور آج کل کے لڑکوں کی طرح وہ بھی ایک دم ہی اونچی پوسٹ چاہتا تھا' اس کے والد احمد علی کوئٹہ میں واپڈا کے محکمے میں تھے' انہوں نے کتنا چاہا کہ آفاق کوئٹہ آجائے اور واپڈا میں لگ جائے مگر وہ صاف انکاری ہوگیا۔ میں نے بھی سمجھایا مگر نہ مانا' عفت والے واقعے پر وہ مجھ سے معذرت کرچکا تھا اور کہتا تھا۔

"عفت جیسی لڑکیاں صرف دل بہلانے کے لیے ہوتی ہیں وقت گزاری کے لیے' ان سے زندگی بھر کا ساتھ نہیں چاہا جاسکتا...... وہی حساب تھا' انگور ہاتھ نہ آئے تو کھٹے ہیں۔"

ایگزام کے بعد میں فارغ تھی۔ ثمینہ کی بھی صابر سے شادی ہوگئی تھی۔ صابر فیصل آباد میں ایک ٹیکسٹائل مل میں اسسٹنٹ منیجر تھا' ثمینہ بھی اس کے پاس چلی گئی اب میں تنہا تھی۔ امتحان دے کر بیٹیاں گھر بیٹھ جائیں تو ایک دم سے والدین کو بڑی لگنے لگتی ہیں۔

میرے لیے بھی دو تین رشتے آگئے تھے' ایک روز امی نے مجھ سے کہا تھا' کہ میں حامی بھرلوں اور اگر کوئی میری اپنی انفرادی پسند ہو تو بتادوں مگر میں نے کہہ دیا تھا کہ میری کوئی پسند نہیں اور یہ سچ بھی ہے اور مجھے علم تھا کہ شام

کو امی ان تینوں کے بارے میں پوچھیں گی' جن کی تصویریں میرے پاس رکھی ہیں۔

لوگ اچھے ہیں' رشتے اچھے ہیں اور میں نے بھی ایک رشتے کا انتخاب کرلیا۔ لڑکا سعودی عرب میں ہے اور ایک بینک میں جاب کرتا ہے۔ میں اس شہر ہی سے چلی جانا چاہتی تھی اور میں نے فیصلہ کیا کہ ایسے دیس چلی جاؤں جو سب دیسوں کا راجہ ہے' میرے سوہنے نبی ﷺ کا شہر ہے مدینہ اور وجاہت مرزا مدینہ ہی میں رہتا ہے اور میں نے شام کو لفافے میں بند کرکے وجاہت مرزا کی تصویر دے دی۔ امی نے حیرت سے مجھے دیکھا۔

میں نے ایک کسٹم آفیسر اور انجینئر کے مقابلے میں ایک بینک اکاؤنٹنٹ کو قبول کیا تھا۔ تب میں نے امی کے گلے میں بانہیں ڈال کر کہا۔

''امی! پتہ نہیں قسمت وہاں لے جائے یا نہیں میں نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دیس جانا چاہتی ہوں۔ مجھے دولت' عہدے سے کوئی غرض نہیں' میری خوش قسمتی ہوگی کہ یہ گناہ گار آنکھیں روضہ مبارک کا دیدار کرتی رہیں گی۔ اپنے گناہوں کو بخشوانے کا اس سے بہتر موقع نہیں ملے گا۔ میں نے کہا تو امی نے میرا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر میری پیشانی چوم لی یعنی میرا فیصلہ انہیں بھی پسند آیا۔ دوسرے روز میں گھر کی صفائی میں لگ گئی کیونکہ امی نے وجاہت کی والدہ اور بہن کو شام کے کھانے پر بلایا تھا اور میں اپنی ساس اور نند پر اپنی سگھڑاپے کا رعب ڈالنا چاہتی تھی۔

مجھے بالکل خیال نہ تھا کہ آفاق نے فون کرنے کا کہا تھا' گیارہ بجے فون کی گھنٹی بج اٹھی تو میں نے ریسیور اٹھایا۔

''ہیلو!'' میں نے بیزاری سے کہا۔

''میری امی شام کو تمہارے گھر آئیں گی تارہ۔'' وہ میری آواز پہچان کر بولا۔

''کوئی ضرورت نہیں۔''

''کیوں؟''

''فیصلہ ہوگیا ہے۔'' میں نے بتایا۔

''تم نے ہتھیار ڈال دیے۔'' وہ بولا۔

''ہتھیار نہیں ڈالے آفاق احمد' زندگی کا پہلا صحیح فیصلہ کیا ہے یہی منزل کی روشنی ہے۔ میں اپنے اس فیصلے پر بہت خوش اور مطمئن ہوں۔'' میں نے رسان سے کہا۔

''ایک بات تو بتاؤ تارہ۔'' وہ بجھا ہوا سا تھا۔

''پوچھو۔'' میں نے بڑی فراخدلی کا مظاہرہ کیا۔

''سچ بتاؤ گی۔''

''وعدہ سچ بتاؤں گی۔''

''اس اچانک دوری کی وجہ؟''

''آفاق! بس یہ دل جو ہے نا اس میں اگر بال پڑ جائے تو تصویر مسخ ہوجاتی ہے اور تمہاری تصویر بھی مسخ ہوگئی ہے اور میں ایسے شخص کے ساتھ گزارا نہیں کرسکتی جسکی تصویر میرے آئینہ دل میں ترخی ہوئی ہو' جس روز تم نے عفت سے فرینڈشپ کی مجھ سے اجازت لی اسی روز میں نے سوچ لیا تھا کہ تمہارے اور میرے راستے علیحدہ ہیں۔ کیونکہ میں محبت میں شیئر کی قائل نہیں ہوں۔ تم یہ حرکت زندگی کے کسی بھی موڑ پر کرتے میں تمہیں چھوڑ دیتی۔''

''تم کو اسی وقت بتادینا تھا۔'' آفاق بولا۔

''نہیں آفاق جب تم نے مجھے کئی بار آزمایا تو مجھے بتایا؟ نہیں نا؟ تو میں کیوں بتاتی کہ تم بھی میری آزمائش میں پورے نہیں اترے۔ تم نے ایک بار کہا تھا کہ اگر میں تمہاری آزمائش میں پوری نہ اترتی تو تم مجھے دھتکار دیتے......'' وہ میری بات کاٹ کر بولا۔

''تو تم نے مجھے دھتکار دیا ہے۔''

''جو بھی سمجھ لو۔ بس آئندہ فون نہ کرنا۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا اور ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

اور پھر کام میں لگ گئی' شام کو میرے سسرال والے جو آرہے تھیں اور دیکھیں مجھے کوئی پچھتاوا' کوئی دکھ نہیں ہے' میں بہت خوش ہوں' بس پتہ نہیں یہ گالوں پر گرم گرم پانی کیوں پھسل رہا ہے۔